ڈاکٹر رؤف پاریکھ

پاکستان میں اردو ادب: سیاسی، سماجی اور ادبی محرکات

(۱۹۴۷ء۔۲۰۰۷ء)

This paper titled "Urdu Literature in Pakistan: Political, Social and literary Impetus (1947-2007)" serveys the political, social and literary challenges faced by Pakistan during the years and traces the ways in which Pakistan's Urdu literature responded on intellectual and creative level. The paper analyzes the literary trends against the backdrop of political, social and intellectual stimuli.

کسی بھی قوم کا ادب نہ صرف اس کے حال کا عکاس بلکہ اس کے ماضی کا آئینہ بھی ہوتا ہے۔ کوئی قوم کن کن راستوں سے گزری، اس راہ میں اسے کیسے کیسے نشیب و فراز پیش آئے اور مشکلات اور مخالفتوں کا جواب اس نے فکری اور تخلیقی سطح پر کس طرح دیا؟ ان سوالات کا جواب اس قوم کی تاریخ کے علاوہ اس کے ادب سے بھی مل سکتا ہے ۱۔ ہمارے ادب کے بارے میں عام طور پر یہ غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ ہماری شاعری محض گل و بلبل کا قصہ اور لب و رخسار کا قصیدہ ہے۔ لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے اور اردو ادب کے بارے میں یہ بات وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ اس کے ہر دور کے لکھنے والے نہ صرف اپنے اپنے دور کے سیاسی، سماجی اور معاشی مسائل سے واقف تھے بلکہ انھوں نے ان مسائل کی عکاسی بھی کی ہے۔ میر کی شاعری کو دل اور دلی کا مرثیہ کہا گیا ہے۔ مصحفی اور تاباں وغیرہ نے اسیری، قفس، بلبل اور گلزار وغیرہ کی علامات کو گہرے سیاسی شعور کے ساتھ استعمال کیا ہے ۲۔ سید احمد شہید کی تحریک جہاد ہو یا جنگ آزادی ۱۸۵۷ء، علی گڑھ تحریک ہو یا تحریک پاکستان یا کوئی اور سیاسی یا مذہبی تحریک یا تہذیبی رجحان، اس کے اثرات ہمارے شعری اور نثری ادب میں موجود اور محفوظ ہیں۔ اردو کے لکھنے والوں کا یہ سیاسی اور سماجی شعور اور اس کا تخلیقی اظہار ایک قدیم اور طویل روایت ہے جس کا تسلسل قیام پاکستان تک اور اس کے بعد عصر حاضر تک نظر آتا ہے۔ اس مختصر مقالے میں یہ تو ممکن نہیں کہ ۶۰ سال کے ادب کو بالاستیعاب دیکھ کر اس کے تمام یا محض نمایاں لکھنے والوں کی بھی تصنیفات کا تفصیلی جائزہ لیا جا سکے لیکن کوشش ہوگی کہ ۱۹۴۷ء سے ۲۰۰۷ء تک پاکستان میں تخلیق کیے گئے اردو ادب کا جائزہ اس زاویے سے لیا جائے کہ ۶۰ سال کے عرصے میں ہمیں قومی سطح پر کن کن مشکلات سے دوچار ہونا پڑا اور ہمارے اہل قلم نے ان کا کس طرح جواب دیا اور ان کا ردعمل کیا رہا۔

۱۹۴۷ء نے جہاں تاریخی، سیاسی اور جغرافیائی لحاظ سے حد فاصل کا کام کیا وہاں اس نے اردو کی لسانی، ادبی اور فکری تاریخ کو بھی دو حصوں میں تقسیم کر دیا ۳۔ سوچ کے جو انداز ۱۹۳۶ء کی ترقی پسند ادبی تحریک نے مقبول بنا دیے تھے، ۱۹۴۷ء میں قیام پاکستان نے ان کا رخ بدل دیا ۴۔ وہ موضوعات اور نظریات جو اہل قلم اور اہل نقد و نظر میں مسلمات کا درجہ حاصل کر چکے تھے اب نئے ماحول میں ان کے بارے میں کہیں تشکیک اور کہیں انکار کی فضا پیدا ہو گئی ۵۔ ایک بڑی تبدیلی جو آزادی کے بعد اردو ادب میں نظر آتی ہے وہ قومی تحریک سے متعلق ادیبوں بالخصوص ترقی پسندوں کا

رویہ ہے۔ روایت شکنی کے جوش میں ترقی پسند ادب بالخصوص اور عام ادب بالعموم قومی تہذیب سے متعلق بیگانگی بلکہ دشمنی کا رویہ رکھنے لگے تھے۶۔ تہذیبی روایات کو رجعت پسندی اور انحطاط کہہ کر ٹھکرا دیا جاتا تھا لیکن آزادی کے بعد ترقی پسندوں کی اس مخالفت میں وہ شدت نہ رہی بلکہ کسی حد تک مصالحت اور مفاہمت کا رویہ بھی نظر آنے لگا اور بعض ترقی پسندوں نے کہا کہ ادب بھی تہذیبی سرمایے کا محافظ ہو سکتا ہے بشرطیکہ اس کی بنیاد انسان دوستی پر ہو۷۔

البتہ اس مفاہمانہ رویے کے باوجود ترقی پسند ادبی تحریک کی سوچ پاکستان کے بارے میں وہی رہی جو تھی یعنی پاکستان کی مخالفت۔ آزادی کے فوراً بعد اس ملک نے ابھی اپنے وجود کی بقا کے لیے جدوجہد شروع ہی کی تھی کہ ترقی پسندوں کی سوچ اس کے لیے ایک بڑا چیلنج بن گئی۔ ترقی پسندوں کی جمعیت نہ تو دینی تصورات کو مانتی تھی نہ ہی وہ قومی نظریے کی ان کی نظر میں اہمیت تھی۸۔ پاکستان بننے کے بعد ترقی پسند تحریک کا بڑا حصہ پاکستان کو ذاتی طور پر اپنا ملک سمجھنے کے لیے تیار نہ تھا اس کی آزادی کو تسلیم کرنے سے انکار کیا گیا اسے انگریزوں کی تخلیق کہہ کر نظر انداز کیا گیا۹ حتیٰ کہ فیض نے ''صبح آزادی'' کے عنوان سے اگست ۱۹۴۷ء میں جو نظم کہی اس میں صبح آزادی کو ''داغ داغ اجالا'' اور ''شب گزیدہ سحر'' قرار دیا۔

ظاہر ہے کہ پاکستان جیسے ملک میں جو مخصوص قومی نظریات اور مذہب کی بنیاد پر وجود میں آیا تھا ترقی پسندوں کا طرزِ عمل اور تحریریں بہت سے لوگوں کے لیے ناقابل قبول تھیں۔ چنانچہ اس تحریک کے حامیوں اور مخالفوں میں ایک نئی کشمکش شروع ہو گئی اور اس نظریاتی پیکار کے نتیجے میں ترقی پسندی کے ردعمل کے طور پر ایک ادبی تحریک شروع ہوئی جسے پاکستانی ادب کی تحریک کا نام دیا گیا۔ قیام پاکستان کے بعد یہ اولین ادبی تحریک تھی۔ پاکستانی ادب کی تحریک نے ارض پاکستان کی نسبت سے زمین کے اور اسلامی نظریات کے حوالے سے آسمان کے عناصر کی اہمیت کو تسلیم کیا اور نئے ادب کی تخلیق کے لیے ان دونوں کا امتزاج ضروری ٹھہرا۱۰۔ اس تحریک نے ریاست سے وفاداری اور پاکستانی ادب کا سوال اٹھایا۱۱۔

اس تحریک کے علم برداروں میں حسن عسکری، صمد شاہین اور ممتاز شیریں وغیرہ نمایاں تھے۔ یہ لوگ ادیبوں سے نئی مملکت یعنی پاکستان سے وفاداری کا مطالبہ کرتے تھے۔ حسن عسکری قیام پاکستان سے قبل ہی پاکستانی ادب کے مسئلے پر غور کر رہے تھے اور مئی ۱۹۴۹ء میں وہ ''ساقی'' میں اپنے کالم میں پاکستانی ادب کے حوالے سے لکھ چکے تھے۱۲۔ لیکن پاکستان سے وفاداری اور وابستگی کا مسئلہ پاکستان بننے کے فوراً ہی بعد اس وقت اٹھا جب ہمارا وجود خطرے سے دوچار تھا۔ ادیبوں کی کمٹ منٹ کا مسئلہ اس وقت ڈاکٹر تاثیر نے اٹھایا تھا اور انھوں نے ادیبوں سے چند سوالات بھی کیے تھے جن میں سے ایک یہ تھا کہ کشمیر کے مسئلے پر ان کا کیا موقف ہے۱۳۔ یہ گویا پاکستانیت کا پہلا ابلاغ تھا اور پاکستانی ادب کی ترویج کا پہلا نعرہ۱۴۔

پاکستانی ادب کے مسئلے پر جو کچھ کہا گیا اس کا لب لباب یہ تھا کہ ہمارا ادب ہماری روحانی قدروں اور امنگوں کا ترجمان ہو اس میں ہمارے نظریہ حیات کی روح موجود ہو اور وہ ان مقاصد کی ترغیب دے جو اس ملک کے قیام کے وقت پیش نظر تھے اور جو اس ملک سے محبت کے جذبات پیدا کرے۱۵۔ یا مختصر لفظوں میں پاکستانیت کے عام معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ ادب میں وہ قومی روح منعکس کی جائے جو نظریہ پاکستان میں موجود ہے۱۶۔ پاکستانی ادب کا سوال اس لیے بھی اٹھا تھا کہ آزادی کے وقت جو ہولناک فسادات ہوئے تھے بعض ترقی پسندوں نے اس کی عکاسی میں توازن برقرار رکھنے کی دانستہ کوشش کی تھی۱۷۔ اور فسادات کے موضوع پر لکھا گیا ادب اس حوالے سے بھی متنازع فیہ ٹھہرا کہ بعض اہل قلم نے آزادی کے بعد ہونے والے ہولناک فسادات کو قیام پاکستان کا شاخسانہ قرار دیا۱۸۔ پاکستانی ادب کی تحریک کا ایک اور پہلو جو قابل ذکر ہے وہ یہ ہے کہ اسے وی اکبر نے رائے دی کہ جس طرح دنیا کے دیگر ممالک کے نام سے ان ملکوں کی زبان کا نام بنتا ہے اسی طرح اردو کو بھی اب اردو کی بجائے پاکستانی کہا جائے۱۹۔

ترقی پسند ادبی تحریک کے ردعمل کے طور پر قیام پاکستان کے فوراً بعد ایک اور تحریک نے بھی جنم لیا جسے تحریک ادب اسلامی

یا اسلامی ادب کی تحریک کا نام دیا گیا۔ ایک خیال یہ بھی ہے کہ دراصل پاکستانی ادب کی تحریک ہی اسلامی ادب کی تحریک بن گئی اور حسن عسکری صاحب نے پاکستانی ادب کا نعرہ لگانے کے بعد اسے اسلامی ادب کے نعرے میں تبدیل کر دیا۲۰۔ سوال یہ ہے کہ اسلامی ادب کیا ہے؟ اسلام بعض عقائد اور اصولوں کا نام ہے اور ان عقائد اور اصولوں کو اپنانے اور زندگی میں ان کے رچ بس جانے سے ایک اندازِ فکر پیدا ہوتا ہے، یہ اندازِ فکر اسلامیت ہے۲۱۔ اسلامی ادب ہم ان کتابوں کو نہیں کہتے جن میں اسلامی عقائد اور عبادات کے طریقے اور مسائل کیے گئے ہیں بلکہ اسلامی ادب وہ ہے جس میں اسلامیت جھلکتی ہو، جس کا اندازِ فکر اسلامی ہو جس کے اسلوب کا رنگ اور لہجہ اسلامی ہو اور جس کے استدلال کا طریقہ وہ ہو جسے اسلام نے پیش کیا ہے۲۲۔

اسلامی ادب کی بنیادی شرط اسلامی تہذیب کی اقدار پر ایمان لانا ہے جس سے ۱۸۵۷ء کے بعد تعلیم یافتہ گروہ تقریباً محروم ہو گیا تھا ۲۳۔ ہر ادب کی بنیاد حقیقت کے ایک خاص تصور پر ہوتی ہے۲۴ اور بقول حسن عسکری اسی بنیادی تصور سے اسالیب بیان پھوٹتے ہیں ۲۵ چنانچہ اسلامی ادب کی بنیاد بھی اسلامی مابعد الطبیعات پر رکھی گئی۔ چونکہ ترقی پسند ادبی تحریک اشتراکیت کی بنیاد پر استوار تھی اور اس زمانے میں اشتراکیت کا مطلب لادینیت اور الحاد تھا اور پاکستان چونکہ اسلامی نظریات کی اساس پر وجود میں آیا تھا چنانچہ اشتراکیت کو اسلام کے منافی سمجھا گیا۔ لہٰذا ترقی پسند ادب کے ردِعمل کے طور پر اور اسلامی نظریات کو ادب اور فن کے ذریعے مقبول بنانے کے لیے اس نئی تحریک کی شعوری طور پر بنیاد ڈالی گئی ۲۶ جسے اسلامی ادب کی تحریک کا نام دیا جاتا ہے۔ نعیم صدیقی نے ادب اسلامی کے نقطۂ نظر کو فلسفیانہ سطح پر پیش کیا۲۷۔ چونکہ اس تحریک کے محرکین اور مویدین کی ایک خاصی بڑی تعداد کا تعلق جماعت اسلامی سے تھا یا ان کا غالب فکری رجحان جماعت اسلامی کی طرف تھا چنانچہ اس کا ایک سیاسی پہلو بھی ہے اور اس تحریک کی مخالفت کی ایک وجہ اس کا جماعت سے وابستہ ہونا بھی تھا۔

پاکستانی ادب کی بحث کے تسلسل میں ایک اور تحریک کا بھی ذکر ملتا ہے جسے ارضی ثقافتی تحریک کا نام دیا گیا ہے۔ پاکستان کے ادب اور ثقافت کے بارے میں وزیر آغا کا موقف یہ ہے کہ اس کی تشکیل میں مذہب کے گہرے اثرات کے علاوہ پاکستان کی مٹی، ہوا، موسم اور اس کی تاریخ نے بھی اہم کردار ادا کیا ہے۲۸۔ اس تحریک نے زمین کے حوالے سے نہ صرف ثقافتی عناصر کو قبول کیا بلکہ نسلی اور روحانی سرمائے کو بھی ناگزیر قرار دیا۲۹۔ اس طرح ادب کا تعلق دھرتی سے جوڑا گیا۔ اسی طرح اسلامی ادب کی تحریک کا تسلسل ہمیں اس وقت نظر آتا ہے جب قیامِ پاکستان کے چند برسوں کے بعد قادیانیت کے خلاف ایک تحریک پوری شدت کے ساتھ اٹھی یعنی ختم نبوت کی تحریک۔ ۱۹۵۲ء میں اٹھنے والی یہ تحریک ۱۹۵۳ء میں دوبارہ اٹھی اور اس حد تک زور پکڑ گئی کہ لاہور میں مارشل لاء لگانا پڑا۔ اس کے کچھ ہی عرصے کے بعد یعنی ۱۹۵۶ء میں جب پاکستان کا پہلا آئین بنا تو اس میں ملک کا سرکاری نام اسلامی جمہوریہ پاکستان رکھا گیا۔ اگرچہ تحریک ختم نبوت اور ملک کے سرکاری نام کا اسلامی ادب کی تحریک سے کوئی براہ راست تعلق نہیں لیکن اس دور میں ترقی پسندی اور اسلامی فکر کے درمیان جس طرح کی کش مکش جاری تھی اس کے اثرات زندگی کے ہر شعبے پر پڑ رہے تھے اور اسلامی اقدار کی بحالی اور اخلاقی قدروں کے فروغ کا احساس بھی بعض طبقوں میں پیدا ہو رہا تھا۳۰۔ جو لوگ آئین کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کے حق میں تھے ان کی ایک خاصی بڑی تعداد اسلامی ادب کی بھی محرک اور حامی تھی ۳۱۔ آئین سازی سے چند سال پیشتر کمیونسٹ پارٹی پر پاکستان میں پابندی لگا دی گئی اور ترقی پسند ادبی تحریک بھی بڑی حد تک سمٹ گئی تھی۔ اس بنیادی مخالفت قوت کے نہ ہونے سے اسلامی ادب اور پاکستانی ادب کی تحریکیں اپنا جوش و خروش کھو بیٹھیں اور رفتہ رفتہ برائے نام رہ گئیں۔ اسلامی اور پاکستانی ادب کی تحریکیں اگرچہ زیادہ عرصے تک برقرار نہ رہ سکیں لیکن ان کی وجہ سے ادب میں وہ فکر پیدا ہوئی جسے پاکستانی قومیت کا احساس اور پاکستان کی قومی فکر یا قومی طرزِ احساس کہنا چاہیے۳۲۔

ترقی پسند ادبی تحریک کا ردِعمل صرف اسلامی ادب اور پاکستانی ادب کی تحریکوں کی صورت ہی میں سامنے نہیں آیا بلکہ

علامت نگاری اور جدیدیت کی تحریکیں بھی ایک طرح سے اس کا ردعمل تھیں اور حلقہ ارباب ذوق بھی کسی زمانے میں ترقی پسندوں کا متضاد سمجھا گیا۔ قیام پاکستان کے بعد جہاں اس نوزائیدہ ملک کو طرح طرح کے معاشی اور سیاسی مسائل سے گزرنا تھا وہاں ایک اہم سماجی مسئلہ کچھ عرصے کے بعد مقامی اور مہاجر کے سوال کی صورت میں اٹھا۔ ہندو دیو مالا اور ارضی رشتوں پر زور دینے اور دھرتی پوجا کے نظریے کو فروغ دینے کی ذمے دار ارضی ثقافتی تحریک تھی۔ زمینی رشتوں پر زور دینے سے فرزندانِ زمین (sons of the soil) جیسے خیالات کو تقویت ملی اور اس کی کوکھ سے علاقائیت کے فتنے نے جنم لیا[۳۳]۔ عصبیت اور علاقائیت کی جنگ میں مہاجر اور مقامی کے جھگڑے نے مزید خلفشار پیدا کیا۔ سماجی اور معاشی بے اطمینانی کی دنیا میں وسیع تر قومی تصورات کی جگہ محدود قسم کی علاقائی اور جغرافیائی حد بندیوں کو اہمیت ملنے لگی۔ کلچر کی بجائے ذیلی کلچر (sub-culture) پر اصرار ایک خوفناک جنگ کی شکل اختیار کر گیا[۳۴]۔ ۱۹۵۵ء میں ون یونٹ کے قیام سے صوبوں کے درمیان امتیاز صرف ظاہری طور پر ختم ہوا لیکن بلوچستان، سندھ اور مشرقی پاکستان پر اس کے جو منفی اثرات پڑے وہ لاوے کی طرح اندر ہی اندر کھولتے رہے۔ حق تلفیوں کی شکایات کی طویل فہرست میں اضافہ ہوتا گیا اور ان میں احساس محرومی کا زہر پھیلنے لگا[۳۵]۔ قومی زبان اور علاقائی زبانوں میں تصادم بھی اسی علاقائیت کے رجحان میں فروغ کا نتیجہ تھا[۳۶]۔ اس صورت حال میں وہ لوگ جنھوں نے مہاجرت کا دکھ جھیلا تھا عجیب کشمکش اور نفسیاتی صورت حال کا شکار ہو گئے۔ جن اہل قلم نے ہجرت کی صورت میں اپنا بچپن، جوانی اور ماحول چھوڑا تھا جب وہ لکھنے بیٹھے تو ان کا اندرونی کرب اور قلبی انتشار تحریروں میں بھی جھلکا[۳۷]۔ چنانچہ ادب کی تمام اصناف میں یہ کرب اور المیہ ہمیں فسادات کے عام موضوع کی صورت میں ملتا ہے[۳۸] اور بعض لکھنے والوں مثلاً انتظار حسین کے ہاں ہجرت کا دکھ اور ماضی کی یادیں (Nostalgia) علامتوں اور استعاروں کی صورت میں بھی سامنے آئیں۔ ان کے ناول ''بستی'' کو تارکین وطن کا نوحہ کہا گیا[۳۹]۔ ان پر شدید اعتراضات ہجرت اور ماضی کی یادوں کے حوالے سے بھی اکثر کیے جاتے ہیں لیکن انتظار حسین نے ''بستی'' میں پاکستان کے حوالے سے وہ سوالات اٹھائے ہیں جو عوام کے ذہنوں میں بھی گردش کر رہے تھے[۴۰]۔ انتظار حسین کے ہاں ہجرت صرف ترک سکونت کا نام نہیں بلکہ یہ مانوس تہذیبی فضا سے نکل کر نامانوس تہذیبی فضا سے گزرنے کا بھی نام ہے[۴۱]۔ ایوب خان کے دور میں کراچی میں مہاجروں اور پٹھانوں کے درمیان ہونے والے فسادات کے بعد ایوب خان سے یہ جملہ منسوب کیا گیا کہ مہاجروں کے لیے آگے سمندر ہے۔ انتظار حسین کا ناول ''آگے سمندر ہے'' اسی خیال کو پیش کرتا ہے۔ مہاجروں اور سندھیوں کے درمیان میں ہونے والے لسانی فسادات (جو ۱۹۷۲ء میں بھٹو صاحب کے دور میں ہوئے) کے پس منظر میں لکھا گیا قمر عباس ندیم کا افسانہ ''دھواں'' سندھ میں پھیلائی گئی لسانی منافرت کے خارجی عوامل پر نظر ڈالتا ہے[۴۲]۔

ہجرت اور اس سے پیدا ہونے والے معاشرتی اور نفسیاتی مسائل اور المیوں کو قرۃ العین حیدر نے جس طرح موضوع بنایا ہے وہ اس لحاظ سے منفرد ہے کہ وہ نہ صرف اس پر وسیع تر تہذیبی پس منظر کے ساتھ نظر ڈالتی ہیں بلکہ ہجرت کو عالمی تناظر میں دیکھتی ہیں اور اسے وقت رواں کا جبر سمجھتی ہیں[۴۳]۔ ان کے ناولٹ ''سیتا ہرن'' میں ہجرت کا استعارہ وسیع تر تناظر کا حامل ہے اور وہ خواتین کے حوالے سے ہجرت پر نظر ڈالتی ہیں[۴۴]۔ اسی طرح اپنے ناولٹ ''ہاؤسنگ سوسائٹی'' میں انھوں نے سندھ اور بالخصوص کراچی میں آباد ہونے والے مہاجروں کے مسئلے کو اس طرح موضوع بنایا ہے کہ اس مسئلے کے ان خفیہ پہلوؤں کو بھی آشکار کر دیا ہے جن کا ذکر ادب میں عام طور پر مصلحتاً نہیں کیا جاتا[۴۵]۔ ہجرت کے موضوع کی ہلکی سی جھلک ''آگ کا دریا'' کے آخری حصے میں بھی دیکھی جا سکتی ہے۔ یہ تینوں کتابیں نہ صرف قرۃ العین حیدر کے قیام پاکستان کے زمانے کے تجربات کو پیش کرتی ہیں بلکہ لکھی بھی اسی زمانے میں گئیں۔

۱۹۵۶ء کے آئین کے ذکر کے بعد زمانی لحاظ سے ۱۹۵۸ء کے مارشل لا کا ذکر آنا چاہیے تھا لیکن صوبائیت اور علاقائیت کے

چیلنج اور مقامی اور مہاجر کی بحث کو سمیٹنے کے لیے ہم نے دانستہ یہاں ۱۹۴۷ء کے ابتدائی [illegible] ۱۹۵۸ء کا
مارشل لا ایک ہولناک سانحے سے کم نہ تھا۔ آمریت کو خوش آمدید کہنے والے ادیبوں نے نہ صرف مارشل لا کے حق میں تحریریں
اور مضامین لکھے بلکہ پاکستان رائیٹرز گلڈ کی صورت میں ایک ایسی تنظیم بھی بنائی گئی جس کا کام ادیبوں کی وفاداریاں خریدنا اور
انھیں مارشل لا کی حمایت کے لیے آمادہ کرنا تھا۔ "نئی کرن" جیسی کتابیں جاں بہ سلطان کے ترجمے [illegible]
گئیں۔ ۱۹۵۸ء کے مارشل لا کو خوش آمدید کہنے اور اس کی حمایت میں لکھنے والوں کی ایک طویل فہرست ہے جس میں حفیظ
جالندھری اور جعفر طاہر کے علاوہ جمیل الدین عالی اور جوش ملیح آبادی کا نام بھی شامل ہے [illegible] اس کا بہتر سے بہتر جواب
ان باضمیر ادیبوں کی طرف سے آیا جنھوں نے ہمارے ادب میں احتجاجی آوازیں بلند کیں۔ اگرچہ حبیب جالب جیسے لوگوں کو
اس کی پاداش میں قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کرنا پڑیں۔

حلقہ ارباب ذوق کو اگرچہ کسی زمانے میں ترقی پسندی کی ضد کے طور پر پیش کیا جاتا تھا لیکن ترقی پسند تحریک اور انجمن
ترقی پسند مصنفین کے ٹوٹنے کے بعد حلقہ ارباب ذوق مختلف الخیال لوگوں کا مرکز بن گیا اور حلقے کے لوگ آمریت کے خلاف
سراپا احتجاج ہو گئے اور ان کی تحریروں میں بھی یہ احتجاج نظر آیا ہے۔ ۱۹۵۸ء کے لگ بھگ لاہور کے نئے شاعروں نے ایک
تحریک شروع کی اور اسے نئی شاعری کا نام دیا۔ یہ تحریک دراصل علامت نگاری کی تحریک تھی ۴۸۔ پاکستان کے معاشرے میں
انتشار اور اضطراب کی وجہ سے تخلیقی سطح پر جن محسوسات سے شاعروں کو گزرنا پڑا ان کے سبب وہ داخلیت کی طرف رجوع ہوئے
۔ پاکستان میں غزل کے فروغ اور مقبولیت کی ایک وجہ یہ اضطراب اور انتشار بھی ہے ۴۹ لیکن یہ سچ ہے کہ اہل قلم کی بڑی تعداد
۱۹۵۸ء کے مارشل لا کے چیلنج کے مقابلے میں اس طرح صدائے احتجاج بلند نہ کر سکی جیسا کہ انھیں کرنا چاہیے تھی اور انھیں اپنے
حواس مجتمع کرنے میں ایک زمانہ لگ گیا ۵۰۔ اس کی ایک وجہ ادیبوں کی صفوں میں موجود وہ کالی بھیڑیں تھیں جنھوں نے ہر
فوجی حکومت کی تائید اور حمایت کے عوض عہدوں، اعزازات، انعامات اور غیر ملکی دوروں سے فیض یاب ہونے کو اختلاف
رائے پر ترجیح دی۔

۱۹۶۰ء کے عشرے میں ایک ادبی رجحان (جسے تحریک کہنا شاید موزوں نہ ہوگا) جارحانہ انداز کا ردِعمل تھا۔ اس گروہ نے
ترقی پسندوں، علامت پسندوں اور بعض ادبی مسلمات اور اقدار کو بھی رد کر دیا۔ افتخار جالب کی مرتب کردہ نئی شاعری گویا ان کا
منشور تھی۔ اے سلیم اختر نے "اینگری ینگ مین پاکستانی اسٹائل" کے نام سے یاد کیا ہے ۵۱۔ ۱۹۶۵ء کی جنگ کی صورت میں
پاکستان کو ایک ایسے چیلنج کا سامنا ہوا جس کے کچھ مثبت اثرات بھی تھے۔ زندگی کے مختلف شعبوں میں جاری تصادم، انتشار اور
اضطراب کی، گو وقتی طور پر ہی سہی، اس جنگ نے روک تھام کر دی اور پاکستان کو نیا عزم، نیا حوصلہ اور نئی استقامت
ملی ۵۲۔ اخلاقی اقدار کا احیاء ہوا اور قوم میں یکجہتی پیدا ہوئی۔ پاکستان کے ادیبوں اور شاعروں نے پاکستان کے عام باشندوں
کے جذبات اور احساسات کی تہہ میں کارفرما عوامل کو بھانپ لیا اور جس قومی اتحاد کی تلاش میں پاکستانی معاشرہ ۱۹۴۷ء سے
سرگرداں تھا اس کی عملی وضاحت سامنے آئی۔ اس طرح پاکستانی ادب میں فکر اور نظر کی سطح پر ایک خوشگوار تبدیلی ہوئی ۵۳۔
۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ کے پس منظر میں تخلیق کیے گئے ادب کا خاصا حصہ وقتی بھی تھا لیکن اردو شعراء نے اس واقعے کی
عکاسی اور ترجمانی کا جو کردار ادا کیا وہ پاکستان کی ادبی تاریخ اور اردو شاعری کا ایک روشن باب ہے ۵۴۔ اس جنگ کا ایک اثر
ہماری شاعری پر یہ بھی ہوا کہ علامت نگاری اور ذات کو اہمیت دینے کا رجحان جو خاصے عرصے سے جاری وساری تھا ختم ہو
گیا۔ ۱۹۶۵ء کی جنگ کے بعد ذات کی بجائے معاشرے کی اہمیت پھر واضح ہو گئی ۵۵۔
لیکن ۱۹۶۵ء کے جنگی ترانوں اور شادمانی کے نغموں کی جگہ بہت جلد دعا اور مناجات اور نوحوں نے لے لی ۵۶۔ ادب
میں مایوسی اور بے یقینی کی تصویریں بھی کھینچی گئیں کیونکہ ۱۹۷۱ء میں سقوطِ مشرقی پاکستان کا سانحہ رونما ہو چکا تھا۔ اس قومی سانحے

نے ہماری شاعری پر وقتی اور جذباتی ردعمل کے علاوہ کچھ دیرپا اثرات بھی مرتب کیے اور یہ اثرات ہماری قومی فکر اور اجتماعی احساس کا حصہ بن گئے ۵۷۔ ۱۹۷۱ء کے المیے کا اظہار ہمارے ادب میں نہ صرف یہ کہ بہ نسبت ۱۹۶۵ء کی جنگ کے زیادہ فنکارانہ اور زیادہ معروضی ہے بلکہ اس کے اثرات ۱۹۶۵ء کی جنگ کے اثرات کے برخلاف بہت طویل عرصے تک محسوس کیے جاتے رہے اور اس کے بعض المناک پہلو افسانوں کی صورت میں بہت بعد میں بھی پیش کیے گئے۔ چونکہ ۱۹۷۱ء میں پاکستان کے دولخت ہونے کا کرب پاکستانیوں کے جذبات اور احساسات کو کہیں زیادہ شدت سے متاثر کرنے کا باعث ہوا لہٰذا اس موضوع پر لکھے گئے افسانے بھی تاثر اور احساسات کے لحاظ سے زیادہ گہرے اور پاکستانیت کے حوالے سے زیادہ اجتماعی بھی ہیں ۵۸۔ اس دور کی غزل بھی اس ملی سانحے کو اپنے آہنگ کا حصہ اس طرح بناتی ہے کہ اس میں تخلیقی عمل کی بنیاد روایت پرستی کی بجائے براہ راست مہیا ہونے والے مواد پر رکھی گئی ہے ۵۹۔ ان دو جنگوں کے بعد حب الوطنی اور پاکستان سے رومانی وابستگی کا جذبہ بھی شدت سے بیدار ہوا، سوہنی دھرتی کا تصور بھی ابھرا اور شعراء اور ادباء نے ارض وطن کی محبت کو اظہار سے منسلک کر دیا ۶۰۔ ۱۹۷۷ء کے مارشل لا اور بعد کے واقعات نے اسلامی ادب کی تحریک کو پھر ابھارا۔ لیکن اس میں وہ جوش اور ولولہ پیدا نہ ہو سکا جو اس کے ابتدائی دور کا خاصہ تھا۔ بعد کے عرصے میں جب مارشل لا کے خلاف جذبات بیدار ہوئے اور ایم آر ڈی کی تحریک چلی تو اس کے اثرات مزاحمتی ادب کی صورت میں سامنے آئے۔ ۱۹۸۸ء میں جمہوریت کی بحالی کے بعد ایسے ادب کو خاص طور پر شائع کیا گیا ۶۱۔ ۱۹۸۰ء میں افغانستان پر روس کے حملے سے چونکہ پاکستان براہ راست متاثر ہوا تھا لہٰذا ہمارے اہل قلم نے افغانستان کے مسئلے پر بھی اظہار خیال کیا اور اس حوالے سے کئی مجموعے بھی شائع ہوئے۔ ۱۹۹۴ء۔ ۱۹۹۵ء میں کراچی میں جو حالات و واقعات رونما ہوئے ان کی شدت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ ۱۹۹۶ء میں جب صدر فاروق لغاری صاحب نے محترمہ بے نظیر بھٹو صاحبہ کی حکومت کو برطرف کیا تو الزامات کی فہرست میں ایک الزام یہ بھی تھا کہ ان کے دور میں کراچی میں بدامنی رہی اور وہاں ماورائے عدالت قتل ہوئے۔ اس انتہائی اذیت ناک صورت حال کو ہمارے ادب خاص طور پر کراچی میں تخلیق ہونے والے ادب میں پیش کیا گیا۔ اجمل کمال نے اپنے پرچے ''آج'' میں خاص طور پر اس موضوع پر تحریریں شائع کیں اور خصوصی شمارے بھی کیے۔

۲۰۰۵ کا قیامت خیز زلزلہ ایک طرح سے ۱۹۶۵ء کی جنگ کی مانند ایک اچھے نتیجے کا حامل تھا اور وہ یہ کہ ۱۹۶۵ء کی جنگ کی طرح پوری پاکستانی قوم اس مشکل گھڑی میں متحد اور یک جان ہو گئی۔ اس موضوع پر لکھا گیا ادب گو ابھی تک وقتی اور ہنگامی ہی محسوس ہوتا ہے لیکن امید رکھنا چاہیے کہ یہ کسی بڑی تخلیق کا موضوع بنے گا اور اس مشکل گھڑی سے جنم لینے والے المیوں اور ان کے مثبت پہلوؤں کو فن کاری کے ساتھ محفوظ کرے گا۔

ادیب قومیت کا معمار ہوتا ہے لیکن کوئی قوم اپنی روح اور اپنی انفرادیت کو صرف آزادی ہی کی صورت میں دریافت کرتی ہے۔ اسی کو نیشنلزم کہتے ہیں ۶۲۔ لیکن مغرب نے نیشنلزم کے مقابلے میں انٹرنیشنلزم اور کاسمو پولیٹن ازم کا نعرہ لگایا ہے کیونکہ ہمارا نیشنلزم مغرب کے نیشنلزم سے ٹکراتا ہے۔ مغرب خود تو اپنے نیشنلزم کو نوآبادیت تک لے گیا ۶۳۔ لیکن اب ہم سے تقاضا کرتا ہے کہ اپنے نیشنلزم، اپنی انفرادیت، اپنی روح کو فراموش کر دو، اپنے کلچر کو بھول جاؤ۔ اب مغرب کا نعرہ گلوبلزم ہے۔ گلوبلزم یا عالمگیریت کا نعرہ دراصل دوسروں کی انفرادیت، دوسروں کے کلچر اور دوسروں کے قومی مفاد کو تسلیم نہ کرنے اور پوری دنیا کو واحد حکومت کے تحت محکوم رکھنے کا حربہ ہے۔ یہ پوری دنیا کو سیاسی، تہذیبی اور اقتصادی غلامی میں جکڑنے کا ہتھکنڈہ ہے۔ لیکن ہمیں مغرب کے ادیبوں سے یہ امید رکھنی چاہیے کہ وہ دوسری اقوام کی آزادی اور حقوق کے لیے بھی جدوجہد کریں گے اور جس طرح فرانسیسی ادیبوں نے الجیریا کے مسئلے پر اپنی حکومت کی مخالفت کی تھی اسی طرح آج کے مغربی ادیب فلسطین، عراق، افغانستان اور دیگر عالمی مسائل پر اپنی حکومتوں کی مخالفت کریں گے۔

یہ امید ہمیں مغرب کے ادیبوں سے ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا ہم اپنے ادیبوں سے بھی کوئی امید وابستہ کرنے میں حق بجانب ہوں گے؟ اس کا فیصلہ آنے والے دور کا نقاد کرے گا۔

حواشی

۱۔ البتہ اس ضمن میں یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ ادب کے ذریعے حاصل ہونے والے شواہد معاصر سماج اور تہذیب کی توثیق تو کر سکتے ہیں لیکن شہادت فراہم کرنے کے لیے تنہا کافی نہیں ہوتے۔ تفصیلات کے لیے: محمد حسن، ''ادبی سماجیات'' ص ۱۱ وبعدہ۔

۲۔ ابوالخیر کشفی، ''اردو شاعری کا سیاسی اور تاریخی پس منظر''، ص ۱۵۴ نیز اردو شاعری میں سیاسی اور تاریخی واقعات کی مثالوں اور سیاسی، سماجی وتہذیبی حالات کے اردو شاعری پر اثرات کی تفصیلات کے لیے ملاحظہ کیجیے: غلام حسین ذوالفقار، ''اردو شاعری کا تہذیبی اور فکری پس منظر''؛ ساجد امجد، ''اردو شاعری پر برصغیر کے تہذیبی اثرات''؛ عبدالرؤف عروج، ''شاعری: سماجی ترکہ''، مشمولہ ''اردو نامہ'' شمارہ ۸، ۱۰، ۱۱۔ نیز گل وگلزار کی تہذیبی اہمیت کے لیے ملاحظہ ہو: سید عبداللہ، ''فارسی زبان وادب''، ص ۵۷۔۸۴۔

۳۔ سید عبداللہ، ''گزشتہ دس سال کا اردو ادب اور اس کی فکریات''، مشمولہ ''ہمایوں'' سالنامہ ۱۹۵۸ء، ص ۱۸۔

۴۔ ایضاً، ص ایضاً۔

۵۔ ایضاً، ص ایضاً۔

۶۔ ایضاً، ص ۳۳۔

۷۔ ایضاً، ص ایضاً۔

۸۔ وحید قریشی، ''اردو نثر کے میلانات''، ۱۱۱۔۱۱۳۔

۹۔ ایضاً، ص ۱۱۲۔

۱۰۔ انور سدید۔ ''اردو ادب کی تحریکیں''، ص ۶۳۰۔

۱۱۔ ایضاً، ص ایضاً۔

۱۲۔ ضیاء الحسن، ''اردو تنقید کا عمرانی دبستان''، ص ۳۴۲۔

۱۳۔ تحسین فراقی، ''تنقید''، مشمولہ ''تخلیقی ادب''، شمارہ ۲، ص ۲۵۸۔

۱۴۔ ایضاً، ص ایضاً۔ نیز تاثیر نے ''پاکستان مبارک'' کے عنوان سے جولائی اگست ۱۹۴۷ میں ایک سلسلہء مضامین تحریر کیا۔ ضیاء الحسن، ''اردو تنقید کا عمرانی دبستان''، ص ۳۴۶۔

۱۵۔ معین الدین عقیل، ''پاکستانی زبان وادب، مسائل ومناظر''، ص ۲۳۸۔۲۳۹۔

۱۶۔ ایضاً، ص ۲۳۹۔

۱۷۔ مثلاً کرشن چندر نے۔ تفصیلات کے لیے: ''ممتاز شیریں''، ''معیار''، ص ۲۰۶۔

۱۸۔ معین الدین عقیل، ''پاکستانی زبان وادب، مسائل ومناظر''، ص ۲۴۰۔

۱۹۔ سلیم اختر، ''اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ''، ص ۳۸۔

۲۰۔ تحسین فراقی، ''تنقید''، مشمولہ ''تخلیقی ادب''، شمارہ ۲، ص ۲۵۹؛ فروغ احمد کے خیال میں حسن عسکری کی سرکردگی میں پاکستانی [illegible] کہ اسلامی ادب کے بارے میں جو غلط فہمی موجود تھی اس میں اضافہ

ہوا۔ ملاحظہ کیجیے: دیباچہ ''اردوادب اور اسلام''، مصنفہ ہارون رشید، جلد ۲، ص ۱۸۔
۲۱۔ شوکت سبزواری، ''معیارادب''، ص ۱۵۴۔
۲۲۔ ایضاً، ص ایضاً۔
۲۳۔ سید عبداللہ، ''گزشتہ دس سال کا اردوادب''، ہمایوں، سالنامہ ۱۹۵۸، ص ۳۳۔
۲۴۔ تحسین فراقی، ''جستجو''، ص ۲۰۔
۲۵۔ بحوالہ ایضاً۔
۲۶۔ انورسدید ''اردوادب کی تحریکیں''، ص ۶۱۹۔
۲۷۔ ایضاً، ص ۶۳۳۔
۲۸۔ بحوالہ ایضاً، ص ۶۳۳۔
۲۹۔ ایضاً۔
۳۰۔ وحید قریشی، ''اردو نثر کے میلانات''، ص ۱۱۹۔
۳۱۔ معین الدین عقیل، ''پاکستان میں اردوادب: محرکات اور رجحانات کا تشکیلی دور''، ص ۱۳۔
۳۲۔ روبینہ شہناز، ''اردو تنقید میں پاکستانی تصور قومیت''، ص ۷، ۱۰۷، ۱۰۸، ۲۷۱۔
۳۳۔ وحید قریشی، ''اردو نثر کے میلانات''، ص ۱۱۹۔
۳۴۔ ایضاً، ص ایضاً۔
۳۵۔ مظہر جمیل، ''آشوب سندھ اور اردو فکشن''، ص ۶۷۔
۳۶۔ وحید قریشی، ''اردو نثر کے میلانات'' ۱۱۹۔
۳۷۔ معین الدین عقیل، ''پاکستان میں اردوادب: محرکات اور رجحانات کا تشکیلی دور''، ص ۱۱۔
۳۸۔ ایضاً، ص ۱۲۔
۳۹۔ شہزاد منظر، ''ناول''، مشمولہ ''تخلیقی ادب''، شمارہ ۲، ص ۵۳۔
۴۰۔ ایضاً، ص ایضاً۔
۴۱۔ مظہر جمیل، ''آشوب سندھ اور اردو فکشن''، ص ۲۶۳۔
۴۲۔ عتیق احمد، ''افسانہ (۱)''، مشمولہ ''تخلیقی ادب''، شمارہ ۲، ص ۸۱۔
۴۳۔ مظہر جمیل، ''آشوب سندھ اور اردو فکشن''، ص ۲۶۳۔
۴۴۔ ایضاً، ص ۱۶۲۔
۴۵۔ ایضاً، ص ۱۶۳۔
۴۶۔ مارشل لا کا خیر مقدم کرنے والی نظموں کے کچھ نمونوں اور ایسی نظموں کے خالقوں کے مزید ناموں کے لیے ملاحظہ کیجیے:
طاہرہ نیر، ''اردو شاعری میں پاکستانی قومیت کا اظہار''، باب چہارم۔
۴۷۔ انورسدید، ''اردوادب کی تحریکیں''، ص ۵۷۷۔
۴۸۔ معین الدین عقیل، ''پاکستان میں اردوادب: محرکات اور رجحانات کا تشکیلی دور''، ص ۲۰۔
۴۹۔ معین الدین عقیل، ''پاکستانی غزل: تشکیلی دور کے رویے اور رجحانات''، ص ۲۰۔
۵۰۔ خالد علوی، ''پاکستانی غزل کے چند اہم رجحانات''، مشمولہ ''معاصر اردو غزل؛ مسائل و میلانات''، (مرتبہ قمر رئیس) ص ۱۶۵

۵۱۔ ''اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ''، ص ۳۵۰۔
۵۲۔ وحید قریشی: ''اردو نثر کے میلانات''، ص ۱۱۸۔
۵۳۔ ایضاً، ص ۱۲۲۔۱۲۳
۵۴۔ فرمان فتح پوری: ''اردو شاعری اور پاکستانی معاشرہ''، ص ۲۴۱ نیز مظفر عباس: ''اردو میں قومی شاعری''، ص ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۷۱۔۲۸۷
۵۵۔ معین الدین عقیل: ''پاکستانی غزل تشکیلی دور کے رویے اور رجحانات''، ص ۴۷۔
۵۶۔ فرمان فتح پوری: ''اردو شاعری اور پاکستانی معاشرہ''، ص ۲۴۱۔
۵۷۔ احمد ہمدانی: ''نظم''، مشمولہ ''تخلیقی ادب''، شمارہ ۲، ص ۱۶۸۔۱۶۹
۵۸۔ معین الدین عقیل: ''پاکستانی زبان و ادب: مسائل و مناظر''، ص ۲۴۱۔۲۴۲
۵۹۔ خاور اعجاز: ''نئی پاکستانی اردو غزل''، ص ۲۳۷۔
۶۰۔ انور سدید: ''اردو ادب کی تحریکیں''، ص ۶۳۳۔
۶۱۔ مزاحمتی شاعری کا ایک جائزہ بھارت سے شائع ہونے والی آغا ظفر حسنین کی کتاب ''مزاحمت اور پاکستانی اردو شاعری'' میں پیش کیا گیا ہے لیکن اس کتاب میں پاکستانی معاشرے کی کچھ زیادہ ہی تاریک تصویر پیش کی گئی ہے اور اس میں پاکستانی شاعری میں مزاحمتی رویے کے نام پر ہر احتجاجی آواز کو شامل کر لیا گیا ہے خواہ وہ کسی مسئلے کے حوالے سے اٹھائی گئی ہو۔ اس کے برعکس ہمارے ہاں مزاحمتی ادب ایک مخصوص دور میں ایک مخصوص (سیاسی) مسئلے کے موضوع پر تخلیق کیے گئے ادب کا نام ہے۔
۶۲۔ ممتاز حسین: ''ادب اور شعور''، ص ۴۰۵۔۴۱۰
۶۳۔ ایضاً، ص ایضاً۔

کتابیات

۱۔ ابو الخیر کشفی: ''اردو شاعری کا سیاسی اور تاریخی پس منظر، ۱۷۰۷ء۔۱۸۵۷ء''، کراچی، ادبی پبلشرز، ۱۹۷۵ء۔
۲۔ احمد ہمدانی: ''نظم''، مشمولہ ''تخلیقی ادب''، کراچی (مرتبین: پاشا رحمن، مشفق خواجہ، آمنہ مشفق)، ۱۹۸۰ء، شمارہ ۲۔
۳۔ انور سدید: ''اردو ادب کی تحریکیں''، کراچی، انجمن ترقی اردو، اشاعت اول، ۱۹۸۵ء۔
۴۔ آغا ظفر حسنین: ''مزاحمت اور پاکستانی اردو شاعری''، دہلی، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، اشاعت اول، ۲۰۰۷ء۔
۵۔ تحسین فراقی: ''تنقید''، مشمولہ ''تخلیقی ادب''، کراچی (مرتبین: پاشا رحمن، مشفق خواجہ، آمنہ مشفق)، ۱۹۸۰ء، شمارہ ۲۔
۶۔ تحسین فراقی: ''جستجو''، لاہور، مکتبہ عالیہ، اشاعت اول، ۱۹۸۱ء۔
۷۔ خالد علوی: ''پاکستان میں غزل کے چند اہم رجحانات''، مشمولہ ''معاصر اردو غزل: مسائل و میلانات'' (مرتبہ قمر رئیس)، دہلی، اردو اکادمی، اشاعت سوم، ۲۰۰۶ء۔
۸۔ خاور اعجاز: ''نئی پاکستانی اردو غزل''، لاہور، ابلاغ پبلشرز، اشاعت اول، ۲۰۰۱ء۔
۹۔ روبینہ شہناز: ''اردو تنقید میں پاکستانی تصور قومیت''، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، اشاعت اول، ۲۰۰۷ء۔
۱۰۔ ساجد امجد: ''اردو شاعری پر برصغیر کے تہذیبی اثرات''، کراچی، غضنفر اکیڈمی، اشاعت اول، ۱۹۸۹ء۔
۱۱۔ سلیم اختر: ''اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ''، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، اشاعت ہشتم، ۱۹۸۱ء۔
۱۲۔ سید عبداللہ: ''فارسی زبان و ادب''، لاہور، مجلس ترقی ادب، اشاعت اول، ۱۹۷۷ء۔

۱۳۔سید عبداللہ: ''گزشتہ دس سال کا اردو ادب اور اس کی قدریات'' ،مشمولہ '' ہمایوں'' ،لاہور،سالنامہ۱۹۵۸ء، جلد۲۷،شمارہ۲۲۷۔

۱۴۔شہزاد منظر: ''ناول'' ،مشمولہ ''تخلیقی ادب'' ،کراچی (مرتبین: پاشارحمٰن ،مشفق خواجہ ،آمنہ مشفق)،۱۹۸۰ء،شمارہ۲۔

۱۵۔شوکت سبزواری: ''معیارِ ادب'' ،کراچی ،مکتبہ اسلوب ،اشاعت اول،۱۹۶۱ء۔

۱۶۔ضیاءالحسن: ''اردو تنقید کا عمرانی دبستان'' ،لاہور ،مغربی پاکستان اردو اکیڈمی،۲۰۰۶ء۔

۱۷۔طاہرہ نیر: ''اردو شاعری میں پاکستانی قومیت کا اظہار'' ،کراچی ،انجمن ترقی اردو ،اشاعت اول،۱۹۹۹ء۔

۱۸۔عتیق احمد: ''افسانہ (۱)'' ،مشمولہ ''تخلیقی ادب'' ،کراچی (مرتبین: پاشارحمٰن ،مشفق خواجہ ،آمنہ مشفق)،۱۹۸۰ء،شمارہ۲۔

۱۹۔عبدالرؤف عروج: ''شاعری: سماجی ترکہ'' ،مشمولہ ''اردو نامہ'' (سہ ماہی) کراچی ،(ترقی اردو بورڈ) شمارہ ۸،اپریل۔ جون۱۹۶۲ء۔

۲۰۔عبدالرؤف عروج: ''شاعری: سماجی ترکہ'' ،مشمولہ ''اردو نامہ'' (سہ ماہی) کراچی ،(ترقی اردو بورڈ) شمارہ ۱۰،اکتوبر۔دسمبر ۱۹۶۲ء۔

۲۱۔عبدالرؤف عروج: ''شاعری: سماجی ترکہ'' ،مشمولہ ''اردو نامہ'' (سہ ماہی) کراچی ،(ترقی اردو بورڈ) شمارہ ۱۱،جنوری۔ مارچ ۱۹۶۳ء۔

۲۲۔غلام حسین ذوالفقار: ''اردو شاعری کا سیاسی اور تاریخی پس منظر'' ،لاہور ،جامعہ پنجاب،۱۹۶۶ء۔

۲۳۔فرمان فتح پوری: ''اردو شاعری اور پاکستانی معاشرہ'' ،لاہور ،الوقار پبلیکیشنز،۲۰۰۷ء۔

۲۴۔فروغ احمد ،دیباچہ ''اردو ادب اور اسلام'' (مصنفہ ہارون رشید) ،جلد۲، لاہور، اسلامک پبلیکیشنز ،اشاعت اول، ۱۹۶۸ء۔

۲۵۔محمد حسن: ''ادبی سماجیات'' ،دہلی ،مکتبہ جامعہ لمیٹڈ ،اشاعت اول،۱۹۸۳ء۔

۲۶۔مظفر عباس: ''اردو میں قومی شاعری'' ،لاہور ،مکتبہ عالیہ ،اشاعت اول،۱۹۷۸ء۔

۲۷۔مظہر جمیل: '' آشوب سندھ اور اردو فکشن'' ،کراچی ،اکادمی بازیافت ،اشاعت دوم،۲۰۰۷ء۔

۲۸۔معین الدین عقیل: ''پاکستان میں اردو ادب: محرکات اور رجحانات کا تشکیلی دور'' ،کراچی ،مولانا آزاد ریسرچ انسٹیٹیوٹ، اشاعت اول،۱۹۹۵ء۔

۲۹۔معین الدین عقیل: ''پاکستانی زبان و ادب: مسائل و مناظر'' ،لاہور ،الوقار پبلی کیشنز،۱۹۹۹ء۔

۳۰۔معین الدین عقیل: ''پاکستانی غزل: تشکیلی دور کے رویے اور رجحانات'' ،کراچی ،ابوالکلام آزاد ریسرچ انسٹیٹیوٹ، اشاعت اول،۱۹۹۷ء۔

۳۱۔ممتاز حسین: ''ادب اور شعور'' ،کراچی ،اردو اکیڈمی سندھ ،اشاعت اول،۱۹۶۱ء۔

۳۲۔ممتاز شیریں: ''معیار'' ،لاہور ،نیا ادارہ ،سن ندارد۔

۳۳۔وحید قریشی: ''اردو نثر کے میلانات'' ،لاہور ،مکتبہ عالیہ ،اشاعت اول،۱۹۸۶ء۔